سرسید کو شاہ صاحب کے وعظ اپنے لڑکپن میں سننے کا اتفاق ہوا تھا' بلکہ ان کا خاندان بھی "شاہی خاندان" (ولی اللّٰہی) کا معتقد تھا۔ نیز' غالب سے ان کے ذاتی مراسم تھے۔ لہٰذا سرسید نے اپنی اصلاحی کوششوں میں ان دونوں سے خاصا استفادہ کیا۔ ان کی تحریر بڑی حد تک تقویت الایمان کا چربا ہے۔ اگرچہ ان کے موضوعات ذرا مختلف ہیں۔ اسی طرح غالب کی سی واقعیت پسندی اور جچی تلی' مختصر مگر جامع عبارت لکھنے کا اہتمام سرسید بھی کرتے ہیں۔ البتہ ان کا کام' مختصر الفاظ میں' یہ ہے کہ انھوں نے اجتماعی عقل کو منظم کیا اور مسلمانوں میں ان کے ایک "ملت" ہونے کا شعور پیدا کیا۔ شاہ اسماعیل کے بعد وہ پہلے ادیب ہیں جن کے مخاطب افراد' گروہ یا طبقے نہیں' پورا ہندی مسلم معاشرہ ہے۔ شاہ صاحب کی مخاطب بھی پوری ملت ہے۔ مگر ایک تو ان کا موضوع ایک ہی ہے اور اس پر بھی انھیں صرف ایک ننھے منے سے رسالے میں قلم فرسائی کا موقع ملا' (ان کی باقی تحریریں فارسی میں ہیں) دوسرے اس کی بھی وسیع پیمانے پر جلد اشاعت نہ ہو سکی۔ برخلاف اس کے' سرسید کے موضوعات اور تصانیف بھی خاصی تعداد میں ہیں اور انھیں اپنی زندگی ہی میں وسیع پیمانے پر ان کی اشاعت کے ذرائع بھی خوب میسر آئے۔

سرسید کے طرز فکر سے آج ہم اختلاف بھی کر سکتے ہیں' مگر ان کے خلوص سے انکار کسی طرح نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے اسلوب تحریر میں زور' سادگی' قطعیت اور اثرانگیزی اس درجے کی ہے کہ شدید مخالفت کے باوجود ان کی تحریک آگے ہی آگے بڑھتی گئی' اور ان کے انداز بیاں کو ان کے کٹر مخالف بھی اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ یہ سرسید ہی تھے جنھوں نے اپنی دنیا میں مگن رہنے والے بقلم خود "اہل زبان" حضرات کی اجارہ داری توڑی' اور نظم و نثر کو ایک چھوٹے سے گروہ کی ملکیت سے نکال کر پورے ملک کی جاگیر بنا دیا۔ انھوں نے دہلی لکھنؤ کے دعوؤں کا جھوٹا طلسم پاش پاش کیا' اور زبان و ادب کا نیا مرکز--- علی گڑھ--- قائم ہوا' جہاں سارے ہندی مسلمانوں کی نمایندگی ہونے کے باعث ایک نیا' باوقار اور صحیح معنوں میں افادی ادب پیدا ہونا شروع ہوا۔ اور اس ادب کے خالق نہ تو دہلی یا لکھنؤ کے مفتخر نام لیوا تھے اور نہ روایتی "شرفا" کے خاندان سے متعلق۔ اور اس طرح ادب کو عوامی بنانے کا شرف بھی سرسید ہی کو حاصل ہوا۔

تو نتیجہ یہ نکلا کہ سرسید نے اردو ادب میں پیدا ہو جانے والی عقل کو اجتماعی عقل بنا کر منظم کر دیا۔

چوتھی کڑی' مولانا الطاف حسین حالی : اگرچہ عام طور پر حالی کو سرسید تحریک سے علیحدہ نہیں سمجھا جاتا' پھر بھی حالی کو سرسید کا نرا تکملہ کہنا درست نہ ہوگا۔ بے شک وہ سرسید سے بہت متاثر اور ان کے معاون تھے' لیکن ادب میں ان کا اپنا مقام' اپنی کارگزاری اور اپنا اسلوب ہے۔ نظم اور نثر دونوں میں ان کا جدا جدا کام ہے اور جدا جدا ہی اس کے اثرات بھی ہوئے ہیں۔ انھوں نے شاعری کو کچھ

نئے قواعد کا پابند بنایا، شعر پرکھنے کے واضح اور معین معیار مقرر کیے، اور سابق شعرا کے برخلاف شعر کو معاشرے کی شعوری نمایندگی دی۔ اوپر ہم دیکھ چکے ہیں کہ سرسید کی بدولت مسلم معاشرے کو اپنے ایک ملت ہونے کا احساس قائم ہو چلا تھا۔ اب حالی نے اسی ملت کا ایک فرد ہونے کے ناتے اپنی شاعری میں وہ باتیں کہیں جو یہ ملت غیر شعوری طور پر جانتی اور چاہتی تھی۔ ملت کا مسلم ہونا، اسلامی اقدار سے اس کا دور ہوتے جانا، اس کا شان دار ماضی اور اس کا قابل افسوس حال---- یہ اور ایسے ہی معاملات و مسائل ہیں جن کو خلوص و دردمندی کے رنگ میں رنگ کر حالی نے شعر کہے۔ ان کی مسدس تو بہرحال ایک شاہکار ہے ہی، جس میں مسلمانوں کے ماضی و حال کا تقابل کر کے انھوں نے معاشرے کی اصلاح کرنا چاہی ہے، ان کی غزلیں بھی ایک نئی، ابھرتی ہوئی تہذیب کی داغ بیل ڈالتی نظر آتی ہیں۔ دُور ازکار تخیل سے پرہیز، لچر لذتیت اور بازاری پن سے اجتناب، شریفانہ وقار اور رکھ رکھاؤ اور جمہوری شعور کا آغاز، یہ تمام خصوصیات غزل میں ہمیں پہلی بار حالی ہی کے ہاں ملتی ہیں۔ اس میں وہ جدید دور کے شائستہ مزاج، متوسط طبقے کے شریف اور مہذب فرد نظر آتے ہیں جس کے تخیل میں مسائل حیات پر تبصرہ اور تجزیہ بھی ملتا ہے اور اپنے عہد کے معاملات کی طرف اشارے بھی، اور اس کے ساتھ ساتھ عشق کا فطری جذبہ بھی، جو سابق شعرا کے برخلاف، مقصود زندگی نہیں، منجملہ دیگر جذبات کے محض ایک جذبہ ہے۔ ان کا محبوب بھی شاہی دور کا مطلق العنان، غیر ذمہ دار، ستم شعار یا زنان بازاری کی طرح پُرتصنع، چھچھوری عادات کا مالک، جنس زدہ شخص نہیں، جمہوری دور کا باکردار فرد ہے جس سے غلط قسم کی توقعات وابستہ نہیں کی جا سکتیں۔

اب رہی حالی کی نثر، تو ان کا پہلا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو میں جدید زبان لکھنے کا آغاز کیا۔ یہ وہ زبان ہے جس کا تتبع آج تک کیا جا رہا ہے۔ سرسید تک کے ہاں کسی حد تک پرانی زبان کے اثرات باقی رہ گئے ہیں۔ آوے، جاوے، کرکر اور جملوں کی ساخت میں پرانی طرز کی تقدیم و تاخیر، وغیرہ سرسید بھی بے تکلف لکھ جاتے ہیں، کیونکہ وہ بہرحال دہلی کے قدیم اشراف میں سے تھے اور قدمائی (کلاسیکل) زبان ان کے مزاج کا حصہ بن چکی تھی۔ حالی نہ دہلی کے تھے نہ لکھنؤ کے کہ کلاسیکی روایات پر عمل کرنا ان کی مجبوری ہوتا۔ انھوں نے وہ زبان لکھی جو مخصوص طبقات کے بجائے پورے برصغیر کے مسلمانوں کو راس آگئی اور آج بھی نئی ہے۔

دوسرا کارنامہ ان کا ماضی سے رشتہ جوڑنا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا پہلا کارنامہ وہ تین سوانح حیات ہیں جو انھوں نے سعدی، غالب اور سرسید کی لکھیں۔ اول تو اردو میں سوانح نگاری کا اس سے پہلے وجود ہی نہ تھا، صرف تذکروں میں ضمنی طور پر بعض قدما کا ذکر آجاتا تھا، اور اس ذکر میں بھی ان بزرگوں کی واضح تصویر تو درکنار، مدح سرائی کی لفاظی میں ان کی انفرادیت بھی نظر نہ آتی تھی۔ حالی نے اپنی تصانیف میں